اسلامی ضابطہ قانون میں اسبابِ اسقاطِ سزاء کا تناظری جائزہ

The analytical Context of Punishment Abolition in the rule of Islamic law

ڈاکٹر زینب امین *

ڈاکٹر محمد سلیم ہوید**

Abstract

Punishment and crime have a history, that is, when the crime is committed, the date of the sentence begins. The philosophy is that society should be free from crime. In fact, the motive for the punishment was revenge. In some civilizations and offenses, reform of the offender is the basis of the Islamic law. The basic sources of Islamic law are those which are the main source: the Qur'an, i.e. the revelation and the Sunnah of the Prophet - the consensus of the consensus of the Muslims, and the reasoning of the common man. In this sense, like all Islamic laws, the concept of Islam is derived from the criminal and criminal law boundaries. These four elements are based on the Islamic law, where it exists on a very strong and sustainable basis. The rules that apply to the concept of criminal convictions are based on correction and reconciliation. Therefore, perpetrators do not have the vengeance of retribution. These punishments are intended to improve society's collective bargaining and to avoid damages for any criminal offenses. Consequently, Islamic punishments are subjected to brutality and brutality. Of course, the Qur'an does not ease the rights of the culprit. However, this does not mean that the culprits should be rained down by storms and indiscriminate raindrops. But that does not mean that the punishment should be reduced as a matter of relaxation, and that the punishment should be reduced to a lesser degree. Examples of such nominal punishments on the basis of mere inconvenience have been found in Jewish history, where the mutilation of the criminals according to the Torah, with a general condemnation of the sentence, demonstrates mildness toward the culprits. Therefore, the reasons for Abolition are mentioned in the article, what is the nature of Abolition in Islamic law? Discussed the Rule of Islamic law in this regard analytical context.

Keywords: *analytical Context, of Punishment Abolition, rule of Islamic law*

سزاء اور جرم ایک ہی تاریخ کے حامل ہیں یعنی جب سے جرم ہے وہی سے سزاء کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ فلسفہ سزاء یہ ہے کہ معاشرہ جرائم سے پاک ہو۔ دراصل کبھی تو سزا دینے کا محرک انتقام رہا، کبھی مجرم کی تعذیب تھا۔ جب کہ کسی تہذیب و معاشرت میں مجرم کی اصلاح محرک اصلی قرار دیا یا اسلامی ضابطہ قانون میں جرائم پر سزائیں مقرر کی گئی ہیں اور اس ضمن میں وضعی قانون میں سزاء کے بارے میں یہی تصور ہے۔ اسلامی قانون کے جن بنیادی مصادر سے مستفید ہے وہ قرآن، یعنی وحی اور سنت رسول ﷺ ، اجماع یعنی صاحب علم کردار مسلمانوں کا اجتماعی فکر و عمل، اور قیاس یعنی انسانی عقل کا استدلال واستنباط۔ اس اعتبار سے تمام اسلامی قوانین کی طرح اسلام کے تصور جرم سزا اور قانون اجرائے حدود بھی انہیں چار عناصر قانون اسلامی سے ماخوذ ہیں یہ جہاں انتہائی مضبوط و مستحکم اور پائیدار بنیادوں پر قائم ہیں وہاں

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ بے نظیر وویمن یونیورسٹی، پشاور۔

** چیئرمین، شعبہ اسلامیات، جامعہ پشاور ۔

ان میں انسانی معاشرے کے لیے ضروری حد تک لچک بھی موجود ہے۔ سزاؤں سے متعلق پہلے فوجداری سزاؤں کا تصور سے متعلق شریعت میں جو قواعد وضوابط ہیں جو اصلاح اور مصلحت پر مبنی ہے۔ اس لیے شریعت کی سزاؤں میں تعذیب (Persecution) یا انتقام کا جذبہ نہیں ہے۔ ان سزاؤں میں معاشرے کی اجتماعی مصلحت کی تحت اصلاح وزجر مقصود ہوتی ہے اور کبھی مجرم کے جرائم سے ہونے والے نقصانات سے بچنے کے لیے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی سزاؤں میں بربریت وحشت اور سفاکانہ طریقہ نفاذ سے گریز کیا جاتا ہے۔ بے شک قرآن کریم کی رو سے مجرم کے حق میں نرمی نہیں ہے۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجرم پر طوفانی اور اندھادھند کوڑوں کی بارش برسائی جائے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اظہار نرمی کے طور پر نہ سزاء کے نفاذ میں انتہائی حد تک نرمی اور تخفیف کا مظاہرہ کیا جائے کہ محض نام تک رہے تخفیف کی بنیاد پر اس قسم کی برائے نام سزاؤں کی مثالیں یہودی تاریخ میں زیادہ ملتی ہیں جہاں مجرموں کے بارے میں نرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تورات کے مطابق منصوص سزائے رجم کو برسر عام تضحیک ورسوائی اور چہرا کالا کرنے جیسے قبائلی سزاؤں میں تبدیل کیا گیا تھا۔ لہذا زیر نظر مقالہ میں سزاؤں میں اسباب اسقاط کا ذکر کیا گیا ہے کہ اسلامی ضابطہ قانون میں اسقاط سزا کی نوعیت کیا ہے؟

اسقاط سزاء بسبب شبہ:

اسباب اسقاط سزاء میں جن امور کا ہونا ضرور ہے ان میں سب سے پہلے شبہ[1] کی تاثیر ہے' نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: " اذْرَءُوا الْحُدُودَ بِالشُّبُهَاتِ "[2]۔ یعنی شبہات سے حدود کو ساقط کرو۔ اس حدیث کو امت میں قبول عام حاصل ہوا اور فقہاء امت نے اسی حدیث کو اساس بنا کر اس قاعدے کو اختیار کیا ہے۔ اسلامی فوجداری نے جہاں حدود شرعیہ قصاص اور دیگر قابل تعزیر جرائم کے مقدمات میں واقع ہونے والے شبہ کا اعتبار کیا ہے وہاں حق دفاع خلاف دعوی کے حوالے سے عدالت کو یہ ہدایت بھی دی ہے کہ وہ پیش آمدہ شبہ کا فائدہ ملزم کو دے دے تاکہ اس کی بنیاد پر اس سے متعلقہ جرم کی سزا ساقط ہو۔ اسقاط سزا بذریعہ شبہ یا شبہ کا بحق ملزم کے قاعدہ کی اساسی یہی حدیث ہے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ مجھے شبہات کی موجودگی میں سزا ساقط کرنا شبہات کی موجودگی میں سزا دینے سے زیادہ پسند ہے[3]۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی کہ مقدمہ کے دوران اگر شاید ایسا ہو' یا ممکن ہے جیسے الفاظ وارد ہوں تو اس مقدمے کو خارج کرو[4]۔

اسی طرح یہ روایت بھی ہے جو المصنف میں موجود ہے کہ:

" إِذَا اشْتَبَهَ عَلَيْكَ الْحَدُّ، فَادْرَأْهُ "[5]۔

یعنی اگر حد مشتبہ ہو تو اسے ساقط کر دو۔

یعنی مذکورہ قاعدہ کے لیے بطور اساس کام کرتے ہیں۔ پھر اسقاط سزا بذریعہ شبہ کے قاعدہ کو بروئے کار لانے کے لیے ایجاد شبہ کا مطلب یہ نہیں کہ عدالت کے ذہن میں شبہ پیدا ہو بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شبہ حقیقی ہو اور شہادت اور واقعات مقدمہ سے اصل طور پر پیدا ہوا ہو[6]۔

اسقاط سزا بذریعہ شبہ کو اپنانے کی صورت میں کئی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ کبھی اس قاعدہ کے اطلاق کے نتیجے میں اسقاط سزا کے بعد ملزم متعلقہ جرم سے قطعی طور پر بری ہو جاتا ہے۔ کبھی اس قاعدہ کو نبھانے کی صورت میں اصل سزا تو تحلیل ہو جاتی ہے لیکن ملزم پر

حسب قانون تعزیری سزا لاگو کی جاتی ہے۔ موجب تعزیر جرائم میں یہ قاعدہ صرف اس صورت میں موثر ہو گا جب ملزم سے اصل تعزیری سزا ساقط کرنا مقصود ہو۔ اس کے برعکس یہ قاعدہ اس تعزیری سزا کو ساقط کرنے میں غیر مؤثر ہو گا جو اصل سزا کے اسقاط کے بعد حسب قانون تجویز کی گئی ہو[7]۔

اسلامی ضابطہ قانون فوجداری کے تحت اسقاط سزا بذریعہ شبہ یا فائدہ شبہ ملزم ایک اتفاقی امر کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا ہے کہ جہاں اگر اتفاق سے شبہ پیدا ہو تو اسے عیاں کیا جائے ور اس کی بنیاد پر ملزم سے سزا ساقط کی جائے بلکہ حسب سابق ایجاد اور تلاش شبہ کو عدالت کی ذمہ داریوں میں سے گردانا گیا ہے تاکہ مذکورہ قاعدہ نہ تو رائیگاں ہو اور زیر سزا ملزم اس کے فوائد سے محروم ہو[8]۔

اسقاط سزا بذریعہ شبہ کے حوالے سے یہاں بعض ان صورتوں کا ذکر کرنا ہے جہاں شبہ کی بنیاد پر سزا ساقط ہوتی ہے۔ مثلاً جیسے شب زفاف میں حجلہ عروسی میں بیوی کے علاوہ کوئی اور عورت آگئی اور شوہر نے اسے بیوی سمجھتے ہوئے اس سے صنفی تعلق قائم کی تو اسے نہ تو سزائے زنا دی جائے گی اور نہ اس پر کوئی سزائے تعزیری جاری ہو گی بلکہ اس کی برات کا فیصلہ کر دیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں ارداہ جرم نہیں ہے جب کہ ارادہ جرم زنا کے ارکان میں سے ہے۔ اور اسی طرح جو فعل ملزم کی طرف منسوب کیا جارہا ہے۔ اسے حرام قرار دینے والی نص کی تطبیق میں اشتباہ ہو۔ جیسے بغیر گواہوں اور بغیر ولی کے نکاح اور نکاح متعہ' اس صورت میں بھی نہ تو حد زنا جاری ہو گی اور نہ تعزیر۔ کیونکہ نکاح کی ان صورت میں اختلاف ہے بعض نے جائز قرار دیا اور بعض نے حرام اس اختلاف سے اشتباہ ہے اور اس کی بنیاد پر ملزم کو الزام جرم سے بری کر دینا ناگزیر ہے۔

ثبوت جرم میں اشتباہ کی صوت ہو جیسے دو گواہوں نے کسی شخص کے بارے میں گواہی دی کہ اس نے شراب پی ہے۔ پھر گواہ منحرف ہو گئے اور گواہی کے علاوہ اثبات جرم کی اور کوئی دلیل موجود نہیں ہے تو حد ساقط ہو جائے گی۔ اور ملزم جرم سے بری قرادے دیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں اشتباہ پیدا ہو گیا۔ اشبتاہ کی بنا پر سقوط حدود کا قاعدہ اصلاً جرائم حدود کے لیے ہے۔ مگر اس قاعدے کے جرائم تعزیر پر انطباق سے بھی کوئی مانع موجود نہیں ہے۔

شبہ کی بنیاد پر سرقہ موجب حد کے واردات میں حاضر عدالت مجرم سے اصلی سزا یعنی قطع ید ہو کی سزا ساقط کی جاسکتی ہے۔ واضح رہے کہ سرقہ کے جرم میں قطع ید کی سزا صرف اس صورت میں دی جاسکتی ہے جب کسی غیر شخص کے مال منقولہ کے چرانے کے جرم میں ماخوذ حاضر عدالت ملزم کے بارے میں حسب اقرار یا حسب شہادت یہ ثابت ہو کہ:

1. وہ عاقل بالغ ہے اس ارتکاب جرم میں مجبور نہیں کیا گیا تھا اور نہ وہ اضطرار کی حالت میں مبتلا تھا کہ اگر وہ اشیاء خورد نوش کو چرا کر اپنی بھوک نہ مٹاتا تو یقیناً اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ ۲۔ ارتکاب جرم کے نتیجے میں مالک کی رضا اور علم کے بغیر غضباً اس کا مال چکا ہے۔ وہ آنحالیکہ مال مسروق نصاب کے برابر یا نصاب سے زیادہ ہے۔ ۳۔ وہ سرقہ کی وارادات حرز سے کر چکا ہے۔

سرقہ موجب حد کی تعریف پر تمام فقہاء متفق ہیں۔ سوائے امام ابن حزم اندلسی کے جو سرقہ موجب حد کے لیے نصاب اور حرز کی شرط کے قائل نہیں[9]۔ فقہاء اس بات پر بھی متفق ہے کہ نابالغ اور پاگل افراد بوجہ عدم ادراک اور مکرو (Forced) بوجہ عدم اختیار کے مستثنیٰ ہیں۔ لہذا ان کے خلاف سرقہ کی اصل سزا کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ لیکن پھر بھی ایک صورت یہ پیش آسکتی ہے کہ مجرم ارتکاب جرم کے وقت تو عاقل ہو لیکن بعد از ارتکاب جرم اسے پاگل پن لاحق ہو چکا ہو جو حکم سزا تک جاری ہو اور اس کے ختم

ہونے کی امید نہ ہو تو اس ضمن میں حنفی اور مالکی فقہاء نے تا بحالی صحت اسے غیر مسؤلیت کے شبہ کا فائدہ دیا ہے۔ اس شبہ کے نتیجے میں صرف عدالتی کاروائی معطل ہو گی[10]۔

اس میں کئی شبہے ہو سکتے ہیں مثلاً شبہ شرکت غیر' سرقہ کے مرتکب ہر مجرم کے بارے میں فاعل اصلی ہونے کا شبہ ظاہر کیا جا سکتا ہے جیسے کہ متعدد افراد کسی شخص کے قتل میں شریک ہوں تو صرف اس شبہ کی بنیاد پر کہ ممکن ہے مقتول ہر شخص کے وار د اور ضرب سے قتل ہوا ہے۔ قصاص ساقط کیا جاتا ہے۔ لہٰذا زیر صورت میں بھی سب کو سزا سے مستثنیٰ کرنا چاہیے[11]۔ اسی طرح شبہ عدم دخول حرز ہے سرقہ کے جرم میں حرز سے مراد وہ جگہ یا احاطہ مکان یا کوئی بھی تعمیر ہے جہاں کوئی شخص اپنا مال چوری اور ضائع ہونے سے محفوظ رکھتا ہے[12]۔ قطع ید کے نفاذ کے لیے حرز چونکہ ایک بنیادی شرط ہے اس لیے جمہور فقہاء کے نزدیک اگر مال مسروق حرز سے لیا گیا ہو تو قطع ید واجب ہو گی اگرچہ ملزم خواہ حرز میں داخل تو نہیں ہوا ہو ابلکہ حرز میں داخل ہوئے بغیر کسی لاٹھی یا کنڈی یا سوراخ کے ذریعے مال مسروق کھینچ کر باہر نکال چکا ہو[13]۔ عدم دخول کے شبہ کا فائدہ ملزم کو دیا جائے گا۔ اور حد ساقط ہو گی۔ تاہم چوری کا ارتکاب اگر ایسے حرز سے کیا گیا ہو جہاں از روئے مشاہد انسان کا داخل ہونا ممکن نہ ہو جیسے سامان سے بھرا ہوا صندوق یا تیل سے بھرا ہوا کپا تو اس صورت میں عدم دخول حرز کے شبہ کے تاثیر کے بعض فقہاء قائل نہیں۔ چنانچہ حاضر عدالت ملزم کے بارے میں اگر یہ ثابت ہو کہ وہ سامان سے بھرے ہوئے صندوق میں داخل ہوئے بغیر مال مسروق کو کسی طریقہ سے باہر کھینچ لایا ہے یا تیل کے کپے میں سوراخ کرے کہ بہتے ہوئے تیل کو کسی بھی طریقے سے اپنے قبضے میں منتقل کر چکا ہے۔ تو اس صورت میں اسے عدم دخول حرز کے شبہ کا فائدہ نہیں دیا جائے گا۔

اسی طرح شبہ دعوی ملکیت بھی ہے اصولی طور پر فقہاء نے اس ضابطے کے تحت ملک یعنی غیر شخص کے مال مملوکہ حرز سے لینے کو سزائے قطع ید کا موجب قرار دیا ہے۔ تاہم ان کے نزدیک کچھ صورتیں ایسی ہیں جیسا کہ ملزم کے خلاف ملک غیر کی اصطلاح کی تاثیر میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جس کے نتیجے میں عدالت اس مخمصے میں پڑ جاتی ہے کہ مال مسروق کو مدعی کی قطعی ملکیت قرار دے یا نہ دے۔ اس اضطراب سے یقینی طور پر شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جو اسقاط سزا پر منتج ہو جاتا ہے ان میں ایک صورت دعوی ملکیت کی ہے جہاں حاضر عدالت ملزم یا اس کا وکیل مال مسروق میں ملزم کی طرف ملکیت کا دعوی داخل کرتا ہے۔ اس ضمن میں مالکی اور حنبلی فقہاء نے کہا ہے کہ دعوی ملکیت کی تاثیر اور ثبوت کے لیے شہادت کو پیش کرنا لازمی ہو گا اور اگر ملزم اثبات دعوی پر شہادت پیش نہ کر سکے تو حسب اصول دعوی مدعا علیہ یعنی مال مسروق کے مالک سے بایں الفاظ قسم لی جائے گی کہ اللہ کی قسم متعلقہ مال اس کی ملکیت ہے اور یہ کہ ملزم نے اسے اس کی حرز سے چرایا ہو۔

حد سرقہ میں ایک شبہ قرض بھی ہے شبہ دعوی ملکیت کی ایک صورت دعوی قرض کی بھی ہے یعنی حاضر عدالت ملزم یا اس کے وکیل کی طرف سے مال مسروق کے مالک کے خلاف قرض کا دعوی داخل کرنا۔ کیا اس قسم کا دعوی ایجاد شبہ برائے اسقاط حد میں موثر ہو گا؟ مالکی فقہاء کے نزدیک مذکورہ دعوی بار قرض کو ثابت کرنے کی صورت میں مؤثر ہو گا بصورت دیگر نہیں[14]۔

حنفی فقہاء کے نزدیک قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ میعادی قرض میں مذکورہ دعوی کی بنیاد پر ملزم کو شبہ کا فائدہ نہ دیا جائے۔ کیونکہ اگر قبل از وقت ملزم کو حق وصول کا اصل نہیں تو اسے حق سرقہ کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ تاہم تعین میعاد چونکہ قرض خواہ کے حق میں

حق اخذ کے باقی رہنے پر دلالت کرتا ہے جو التوائے قرض کا تو موجب ہو سکتا ہے لیکن حق اخذ کو زائل کرنے کا موجب نہیں ہو سکتا۔ لہذا از روئے استحسان ملزم کو شبہ کا فائدہ دیا جائے گا[15]۔ اور اسی طرح شبہ تقادم ہے یعنی اثبات جرم پر گواہی کا زائد المعیاد ہونا بھی ہے اسلامی قانون ضابطہ فوجداری میں وقوع جرم پر اتنے عرصہ کا گزر جانا سے متعلقہ گواہوں کے بارے میں اگر قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی بات ایسی ضرور ہے جو پہلے عدم ادائیگی شہادت کا سبب تھی اور اب ادائیگی شہادت کا سبب بن رہی ہے۔ تقادم کا قاعدہ حنفی فقہا کا ایجاد کردہ ہے جس کی اساس دراصل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ کسی مقدمہ میں اگر گواہوں نے عدالت میں بروقت گواہی نہیں دی تو تو مابعد کی شہادت کو بہ شبہ عداوت رد کیا جائے گا[16]۔

اگرچہ امام ابو حنیفہ نے جہاں فوجداریت میں تقادم کے قاعدہ کو متعارف کیا ہے وہاں اس کی میعاد کی تحدید نہیں کی ہے۔ کیونکہ ان نے کے نزدیک حالات کے تبائن و تنوع اور عوارض کے اختلاف کے پیش نظر زیر مسئلہ میں پیشگی سے وقت کا تعین ناممکن اور دشوار امر ہے۔ لہذا اس بات کو عدالت کی صوابدید پر چھوڑنا ہی بہتر کہ وہ مقدمات کی نوعیت اور حالت و قواعد کے سامنے رکھ کر زیر بحث میعاد کو تقادم کا درجہ دے یا نہ دے۔ بہر حال امام ابو حنیفہ کے نزدیک ملزم کا یہ دعوی قابل توجہ ہو گا کہ حسب شہادت وقوعہ پر شبہ کا فائدہ لینے کا بھی حقدار ہو گا بشرطیکہ عدالت فیصلہ دے کر مقدمہ کی نوعیت کے حوالے سے ملزم نے مرور میعاد کی جو نشاندہی کی ہے وہ حسب رائے عدالت تقادم کے زمرہ میں آتی ہے۔

حنفی فقہاء کے ہاں سوائے امام زفر کے شبہ تقادم کی ایک اور صورت بعد از حکم سزا عدم نفاذ سزا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر عدالت بوجوہ بعد از حکم سزا ایک عرصہ تک متعلقہ سزا کو نافذ نہ کرے تو حنفی فقہاء کے نزدیک اس درمیانی مدت کو بطور تقادم لیا جائے گا جس کی بنیاد پر مجرم سے متعلقہ سزا ساقط کی جائے گی[17]۔

اسی طرح اسقاط حد بذریعہ نقص گواہی بھی ہے جو شبہ فراہم کرتا ہے حدود آرڈنیس ۱۹۷۹ء میں کہا گیا: Cases in which Hadd shall not be enforced یعنی وہ صورتیں جن میں حد کی سزا ساقط ہو جاتی ہے:

الف۔ جب شراب نوشی صرف سزا یاب مجرم کے اقرار سے ثابت ہو لیکن حد پر عمل درآمد سے بیشتر وہ اقرار جرم سے منحرف ہو جائے۔

ب۔ جب شہادتوں سے شراب نوشی ثابت ہو لیکن حد پر عمل درآمد سے قبل کوئی گواہ شہاد سے منحرف ہو جائے اور اس طرح گواہوں کی تعداد دو سے کم ہو جائے[18]۔

حدود پر شبہ کے اثر سے سزاء کے اسقاط کی صورتیں ہے یعنی شبہ فی الفعل، شبہ فی الفعل کا دوسرا نام شبہ اشتباہ اور یہ شبہ اس آدمی کے حق میں ہوتا ہے جس پر کسی چیز کی حلت اور حرمت مشتبہ ہو جاتی ہے۔ شبہ فی المحل کو شبہ حکمیہ بھی کہتے ہیں اور شبہ حکم شرع میں قائم ہوتا ہے او ردلیل شرعی موجود ہونے کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے وہ دلیل شرعی حرمت کی نفی کرتی ہے اور اس شبہ کے فاعل کا ظن اور اعتقاد سے تعلق نہیں ہوتا یعنی شبہ المحل فاعل کے ظن اور گمان ور اعتقاد کی وجہ سے پیش نہیں آتا بلکہ یہ دلیل شرعی جو حرمت کی نفی کرتی ہے اس کی وجہ سے پیش آتا ہے۔ وغیرہ شبہ کے صورتوں ہیں تاہم یہاں سزاء کے ساقط ہونے ضمن میں تناظری جائزہ پیش کرنا ہے۔

حد قذف میں شبہ کے حوالے سے قذف بالتعریض اور قذف بالکنایہ میں حد واجب ہونے کے بارے میں فقہا کی تین رائے ہیں: حنفیہ اور حنابلہ کی ایک روایت میں جو شخص تعریضاً یا کنایہ قذف کا مرتکب ہو اس پر حد قذف نہیں آئے گی اور ان کی دلائل آیت قرآنی

ہے جس میں ہے کہ دوران عدت اگر تم کسی عورت کو اشارۃ کنایہ پیغام نکاح دو تم پر کوئی گناہ نہیں[19]۔ جب اللہ نے تعریض او رتصریح میں فرق بیان کیا ہے کہ معتدہ سے تعریف بالخطبہ جائز ہے البتہ صراحتاً معتدہ کو پیغام نکاح دینا جائز ہے تو حد قذف کے بارے میں تو تعریض اور تصریح میں بطریق اولی فرق ہونا چاہیے[20]۔

دوسری دلیل یہ حدیث ہے کہ آپ ﷺ سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ میری عورت نے ایک کالے لڑکے کو جنم دیا[21]۔ یعنی وہ آدمی اشارۃ کنایہ اس لڑکے کے اپنے بیٹے ہونے کی نفی کر رہا تھا اور اپنی زوجہ پر زنا کی تہمت لگا رہا تھا لیکن چونکہ اس پر تہمت تعریضاً اور کنایہ لگائی ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس شخص پر حد قذف نہ لگائی تھی۔ اس حدیث سے صاف طور پر ثابت ہے کہ اگر قذف تعریضاً یا کنایہ ہو تو اس پر حد قذف نہ آئے گی۔ اور اس تعریف اور کنایہ میں قذف اور غیر قذف دونوں کا احتمال ہوتا ہے او راحتمال تو شبہ کا نام ہے اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہے۔

دوسری رائے شافعی کی ہے کہ قاذف بالتعریض او الکنایہ پر حد واجب ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ اس کی نیت قذف اور تہمت لگائی تھی۔ اس لیے کہ جب الفاظ کنابہ میں کسی ایک معنی کی نیت کر لی جائے تو وہ کنایہ کے الفاظ صریح کے قائمقام ہو جاتے ہیں۔ لہذا اس پر حد واجب ہو گی لیکن جب اس نے تعریض اور کنایہ کے الفاظ لڑائی کے دروان بولے ہوں یا زمانہ امن میں ادا کیے ہوں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اس لیے تعریض و کنایہ کے الفاظ کو قذف شما نہیں کیا جائے گا اور قائل پر حد قذف ساقط ہو گی[22]۔

تیسری رائے مالکیہ حنابلہ کی دوسری روایت ہے اور ظاہیہ کے نزدیک کہ قذف بالتعریض اولکنایہ میں حد واجب ہے جب کہ ان الفاظ سے قذف کا مفہوم نکلتا ہو یا قرائن دلالت کرتے ہوں کہ قاذف کا ارادہ ان الفاظ سے قذف ہے[23]۔ راجح قول پہلی والی ہے کیونکہ اس میں شبہ پیدا ہوتا ہے اور نیت کا غیر مرئی ہوتا ہے اور اس کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا ہے اس لیے یہاں شبہ پیدا ہونے کی صورت میں حد ساقط ہو جائے گی۔

اسقاط سزاء بسبب حالت اضطرار:

اضطرار حالت ضرورت کی شدید ترین صورتوں میں سے ایک ہے۔ اضطرار کا تعلق بنیادی طور پر غذا ہے تاہم بعض دفعہ ایسی صورتیں بھی واقع ہوتی ہیں جن میں ہلاکت در پیش ہونے کا باوجود غذا کا سوال در پیش نہیں ہوتا مثلاً ہلاکت نفس کے خوف سے کلمہ کفر کہنا ایک شخص گلی میں جا رہا ہے کہ سامنے سے موذی جانور مثلاً شیر وغیرہ دڑا آرہا ہے۔ اب اگر وہ شخص جان بچانے کے لیے گھر میں بغیر اجازت داخل ہو جائے تو جائز ہے کیونکہ دروازہ کھٹکھٹا کر اجازت کرنا اس موذی جانور کا شکار بننے کے مترادف ہے۔ حالت اضطرار ایسی حالت ضرورت ہے جس میں کسی شدید ضرر کے فوری وقوع کا خوف طاری ہوتا ہے اور اس ضرر سے بچنے کے لیے فوری طور پر دستیاب ہونے والے کسی بھی مداوا سے رجوع کیے بغیر اس ضرر سے بچنا ممکن ہوتا ہے خواہ مداوا شرعاً ممنوع ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ ایسی حالت ضرورت میں حرام اشیاء کا استعمال اور حرام افعال کا ارتکاب مباح ہو گا۔

حالت اضطرار میں حکم نوعیت جرم کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے چنانچہ کچھ جرائم ایسے ہیں جن میں حالت ضرورت قطعاً اثر انداز نہیں ہوتی بعض جرائم حالت اضطراری میں جائزہ ہو جاتے اور بعض جرائم حالت اضطرار میں سزائیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ تاہم حالت

اضطرار جرائم قتل و جرح اور قطع پر اثر انداز نہیں ہوتی چنانچہ مضطر کے لیے یہ کسی طرح بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہلاک سے بچانے کے لیے کسی کو قتل کر دے یا اس کے اعضاء کاٹ دے یا اسے زخمی کر دے۔

ایسی صورت حال میں مضطر اپنی ضرورت سے مجبور ہو کر کسی اور نوعیت کے جرائم کا ارتکاب کرے تو فعل کی حرمت کے باوجود اس کی سزا ساقط ہو گی جیسے بھوکا شخص کھانے پینے کی اشیاء چرا لے یا ڈوبنے والا کشتی کا زائد سامان پانی میں پھینک دے۔ فقہاء کے نزدیک اضطرار کی تحدید کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مضطر اس فعل کو اتنی مقدار میں انجام دے جتنی ناگزیر ہو مثلاً بھوکا شخص اتنی مقدار میں کھانا چرا سکتا ہے جس مقدار سے اس کی بھوک رفع ہو جائے اور اس کے لیے یہ درست نہیں کہ وہ کھانا ساتھ لے جائے۔ اس لیے کہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "کل ولا تحمل"[24]۔ یعنی کھاؤ لیکن اپنے ساتھ لاد کر مت لے جاؤ۔ دوسری یہ کہ ضرورت اس فعل ممنوع سے پوری ہوئی ہو اگر ایسا نہ ہو تو سزا معاف نہ ہو گی۔

تاہم یہ واضح رہے کہ ایسی حالت فوجداریت پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جہاں تک دیوانی معاملات جیسے اتلاف مالِ غیر کی صورت میں تاوان کے نفاذ کا تعلق ہے شبہ اور عذر میں آڑے نہیں آسکتا۔ لہذا جیسے پاگل قاتل سے بوجہ پاگل پن قصاص تو ساقط ہو جاتا ہے لیکن دیت بطور تاوان لاگو ہوتی ہے۔ پاگل یا چور سے قطع ید تو ساقط ہو جاتی ہے مگر لیکن مال مسروقہ کی واپسی یا اس کے تاوان کی ادائیگی پاگل چور پر لاگو ہوتی ہے[25]۔

حق حفاظت خود اختیار کے بارے میں تعزیرات دفعہ ۹۶ میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جان اور مال سے مہلک خطرہ دفع کرنے کے لیے کسی جرم کا ارتکاب کر دے۔ تو وہ متعلقہ سزا سے مستثنیٰ ہو گا۔ کیونکہ اپنی حفاظت کا حق ہر جگہ ایک اشد ضرورت ہے۔ قانون میں حق دفاع کا حق دیا گیا ہے لیکن اس کا استعمال انتہائی حالات میں کیا جانا چاہیے۔ اور اس پر کوئی سزاء نہیں ہے جو حق حفاظت خو داختیار کو استعمال کرتے ہوئے کیا جائے[26]۔ کیونکہ یہاں وضاحت کی گئی ہے کہ حالت اضطرار میں کوئی ایسا جرم جس کا اعادہ نہیں کیا جاتا ہ اس کی سزا ساقط ہو جاتی ہے[27]۔

اسقاط سزا بسبب جبر و اکراہ:

اکراہ رضامندی کی ضد ہے اور اس کا معنی کسی شخص کو دھمکی یا دباؤ کے تحت اپنی مرضی کے خلاف کوئی کام کرنے پر مجبور کرنا[28]۔ اکراہ سے مراد یہ بھی ہے کہ وہ دھمکی یا دباؤ ہے جس کے ذریعے کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کو مجبور کر دے جس سے رضامندی یا اس کا اختیار مٹ جائے گا اگرچہ اس میں اہلیت باقی رہے[29]۔ اکراہ ایسے امر کی تہدید ہے جو انسان کے لیے مضرت رساں اور تکلیف دہ ہو اکراہ کا آسان مطلب یہ ہے کہ جو شخص اکراہ پر قادر ہو وہ کسی ایسی فوری سزا کی دھمکی جس کی وجہ سے ایک سمجھ دار انسان وہ فعل کرنے پر آمادہ ہو جائے جس کے کرنے پر اسے مجبور کیا جا رہا ہے۔ اور اس کا گمان غالب ہو کہ اگر وہ یہ کام نہیں کرے گا تو دھمکی دینے والا اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنائے گا[30]۔

اکراہ بلحاظ جرم دو قسمیں ہیں **اکراہ تام:** ایسا اکراہ جس میں انسان کی رضا ختم اور اختیار فاسد ہو جائے یعنی جس سے طبعی طور پر انسان لاچار ہو جائے جیسے جان سے جانے یا کسی عضو کے اتلاف ہو جانے کا خوف ہو یا خطرہ ہو۔

اکرام ناقص: ایسا اکراہ جس میں رضا تو ختم ہو جائے لیکن اختیار فاسد نہ ہو جس میں لاچارگی اور مجبوری لازم نہ آئے جس میں جان سے جانے کا ڈر نہ ہو لیکن قید اور مار جس سے جان کا خطرہ نہ ہو[31]۔

جرائم کی نوعیت کے لحاظ سے اکراہ کا حکم بھی مختلف ہے چنانچہ بعض جرائم میں اکراہ دوسرے پر اثر انداز ہی نہیں ہوتا جب کہ بعض جرائم میں فوجداری مسئولیت تو باقی رہتی ہے مگر سزا ختم ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں اسلامی قانون کا ضابطہ یہ ہے کہ اکراہ سے ہر جرم جائز ہو جاتا ہے یعنی اس پر سزاء ساقط ہو سکتی ہے لیکن قتل، اعضاء کاٹنے اور ضرب مہلک کا جرم ہو تو اس میں قصاص لیا جائے گا یعنی سزاء ساقط نہیں ہو گی۔ چونکہ قتل حقیقت میں مجبور کی طرف سے پیدا ہوا ہے۔ لہذا حیقت کے حوالے سے قتل کا اعتبار مجبور پر کرنا ہو گا۔ لیکن دلیل کی موجودگی میں اکراہ کرنے والا بھی مجرم ہو گا حالانکہ اکراہ کرنے والا حقیقت میں مجرم نہیں ہوتا بلکہ وہ سبب قتل ہوتا ہے۔ لہذا اگر مجبور پر قصاص کا اطلاق نہ ہو گا تو پھر اکراہ کرنے والا بھی قصاص سے بچ جائے گا۔

الغرض وہ افعال جو ضرورت اور اکراہ کے وقت جائز قرار دیے گئے ہیں ان کا تعلق حرام کھانوں اور مشروبات سے ہے جیسے مردار اور لحم خنزیر کھانا اور خون و نجاسات پینا مے نوشی کے بارے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک اکراہ سے یہ فعل یعنی مے نوشی پر حد ساقط ہو جاتی ہے[32]۔ وہ جرائم جن میں اکراہ کی بناء پر سزا ختم ہو جاتی ہے کہ ان جرائم میں فعل کے بدستور ممنوع رہنے کے باوجود اکراہ تام سے سزا ساقط ہو جاتی ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ مکرہ اس فعل کو اپنی مرضی سے انجام نہیں دیتا اور نہ اسے پورا پورا اختیار حاصل ہوتا ہے اور اختیار وادراک کے نہ ہونے کی صورت میں مسئولیت نہیں اکراہ تام نہ ہو تو سزا ختم نہ ہو گی نیز اکراہ تام مادی اور معنوی دونوں مساوی ہے۔ جرائم کی اس قسم میں تہمت لگانا، گالی دینا، چوری کرنا، دوسرے کا مال ضائع کرنا داخل ہے چنانچہ اگر ان میں سے کسی پر کسی کو اکراہ تام کے ساتھ مجبور کیا جائے تو سزاء ساقط ہو گی۔

اکراہ کی صورت میں زنا کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے چنانچہ جہاں تک مکرہ مرد کا تعلق ہے کہ امام ابو حنیفہ نے مرد سے سزاء ساقط کرنے کا ضمن میں یہ رائے دی تھی کہ مرد چونکہ زبردستی اکراہ کے وجہ سے یہ فعل نہیں کرایا جا سکتا اس سے ایسے موقع پر مرسے حد کی سزاء بموجب اختیار ساقط نہ ہو گی۔ لیکن بعض میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنے قول سے رجوع کیا تھا[33]۔ البتہ اگر عورت کو مجبور کر کے ساتھ زنا کیا جائے تو اسے رخصت دی جائی گی۔ کیونہ اس کی رضا و اختیار نہ ہو تو بھی زنا ممکن ہے عورت پر اکراہ تام اور اکراہ ناقص دونوں صورتوں میں زنا کی حد نہیں[34]۔ نافع مولی ابن عمر نے بیان کیا ہے کہ صفیہ بنت ابی عبید نے خبر دی ہے کہ امارت کے غلاوں میں سے ایک غلام نے خمس کی ایک لونڈی سے صحبت کر لی، اس پر زبردستی کی، یہاں تک کہ اس کی بکارت زائل ہو گئی تو حضرت عمر رضی اللہ نے اس کو حد لگائی لیکن اس عورت کو حد نہ لگائی اس لیے کہ اس پر زبردستی کی گئی تھی[35]۔ اور اس طرح ایک پیاسی عورت نے کسی چرواہے سے پانی مانگا۔ اس نے یہ شرط لگائی کہ وہ اپنے آپ پر اسے مسترس دے۔ چنانچہ اس عورت نے ایسا ہی کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے حضرت علی سے مشورہ لیا۔ انہوں نے فتوی دیا کہ عورت مجبور تھی، اس لیے اس پر سزا نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ نے اس عورت پر ضرورت کی صورت میں زنا پر مجبور ہونے وجہ سے حد جاری نہ کی[36]۔

مجموعہ تعزیرات پاکستان کے دفعہ ۹۴ میں بھی غیر رضامندی کے نتیجے میں کیے گئے فعل کو غیر مستوجب سزا قرار دیا گیا ہے۔ بشرطیکہ اس فعل کے نتیجے میں کسی کی ہلاکت واقع نہ ہوئی ہو۔ دفعہ میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو موت کا خوف دلا کر اور اس کے

اختیار اور رضامندی کو سلب کر کے کسی جرم کے ارتکاب پر مجبور کیا جائے تو اسے اس جرم کی سزا نہیں دی جائے گی۔ تاہم اس دفعہ کا اطلاق قتل اور مملکت کے خلاف جرائم پر نہیں ہو گا۔ جس کی سزا موت مقرر کی گئی ہو۔ کیونکہ قانون خود کو خطرہ سے بچانے کے لیے دوسروں کی جان کو خطرہ میں ڈالنے کی اجازت نہیں دیتا۔ لہذا اس دفعہ کے تحت سزا سے استثناء کا فائدہ صرف اس مجبور شخص کو ملے گا۔ جس نے قتل سے کم جرم کا ارتکاب کیا ہے[37]۔

اسقاط سزاء بسبب حالت نشہ:

اسلامی ضابطہ قانون ہے کہ مدہوش آدمی (نشہ) کو اگر جبراً نشہ آور شے پلا دی جائے یا وہ اپنے اختیار سے پیے مگر اسے علم نہ ہو کہ یہ مشروب نشہ آور ہے یا اس نے بطور دوا پیا ہو اور نشہ ہو جائے تو اس حالت میں اس ارتکاب جرم پر سزا ساقط ہو گی۔ لہذا بحالت نشہ کیے جانے والے جرم کی سزاء ساقط ہو جائے گی کیونکہ اس نے ایسی حالت میں جرم کیا جب اس کی عقل زائل ہو چکی تھی اس لیے اس کا حکم مجنون اور نائم کی طرح ہو گا۔

واضح رہے کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ نمبر ۸۵ میں کہا گیا ہے کہ کوئی امر جرم نہیں ہے جو کسی ایسے شخص سے سرزد ہو جو ایسے کرتے وقت نشہ میں ہونے کی وجہ سے فعل کی ماہیت یا یہ جاننے کے قابل نہ ہو۔ جو کچھ وہ کر رہا ہے۔ یا تو بے جا ہے یا خلاف قانون مگر شرط یہ ہے کہ وہ شے جس کی وجہ سے اس کو نشہ ہوا سے کے علم یا اس کی مرضی کے خلاف دی گئی ہے[38]۔ اگرچہ حدود آرڈیننس مجریہ ۱۹۷۹ء میں اسقاط سزا بوجہ نشہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

اسقاط سزاء جرم بحالت نیند:

دوران نیند ادراک اور اختیار دونوں کالعدم ہو جاتے ہیں۔ جب کہ اس کے میلانات اس کے اعضاء کو حرکت دیتے ہیں تاہم وہ اپنے عمل کو نہ دیکھ سکتا تھا نہ سمجھ سکتا ہے۔ نیند ایسی چیز ہے جس میں شخص کا اختیار ختم ہو جاتا ہے اور وہ اس شخص کی مانند ہو جاتا ہے جس کو کسی کام کرنے پر مجبور کیا گیا ہو گویا نیند اور اکراہ دونوں میں فقہ اور قانون کے لحاظ سے فرق باقی نہیں رہا کیونکہ دونوں کو قانونی استثناء حاصل ہے[39]۔

ان میں سے کچھ حرکات ایسی ہوتی ہیں جو کبھی کبھار فوجداری اثر مرتب کرتی ہیں اسے اصطلاح میں یقظۃ النوم یا کرتانومیہ کہتے ہیں جیسا کہ حالت خواب میں چل کر قتل کا ارتکاب کرنا یا الت خواب میں کروٹ لے کر کسی انسان کو بدن کے تلے لانا تا آنکہ اس کی موت واقع ہو جائے۔

واضح رہے کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان کی کوئی بھی دفعہ حالت نوم میں کیے گئے جرم کی سزا سے استثناء کی نشاندہی نہیں کرتی تاہم اگر تعزیرات پاکستان کی دفعہ نمبر ۸۵ کا جائزہ لیا جائے۔ تو اس میں کہا گیا ہے کہ کسی ایسے شخص کا فعل مجرم متصور نہیں ہو گا۔ جب وہ بوجہ نشہ سرانجام دے رہا تھا اور اس فعل کی ماہیت کو جاننے کے قابل نہ تھا جب کہ اس کو جبراً مدہوش کیا گیا تھا۔ اس تناظر میں دیکھا جائے خود نومیت نوم بذریعہ عمل تنویم اور نشہ بسبب جبر میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ کیونکہ جیسا کہ غیر اختیاری نشہ خود طاری ہو جاتا ہے۔ اور شخص متاثر کے ادارک اختیار کو سلب کرتا ہے۔ اس طرح ضابطہ قانون میں حالت نیند میں اسقاط سزا بوجہ نوم کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن یہ ۱۸۶۰ء مجموعہ تعزیرات پاکستان میں موجود ہے۔

اسقاط سزاء بسبب جہل وناواقفیت:

جہل وناواقفیت ایسا ترک فعل ہے جس کا ارتکاب معمول سی سوجھ بوجھ رکھنے والا شخص نہ کرے یا دوسرے الفاظ میں غفلت ترک فرض سے یا غیر قانونی ادائیگی فرض سے وجود پاتی ہے۔ قانون میں بھی جہل کی تعریف کی گئی ہے کہ ایسے فعل کا نہ کرنا جس کو معقول آدمی بلحاظ ان حالات کے جو انسان کے برتا وروزمرہ میں عائد ہوتے ہیں کرتا ہے۔ یا ایسے فعل کا کرنا جو شخص معقول نہ کرتا[40]۔

تاہم یہ واضح رہے کہ جہل یاناواقفیت ترک فرض نہیں بلکہ قانون کی تعین کردہ ذمہ داری کو پامال کرنا ہے۔ غفلت اس وقت قابل مواخذہ ہوتی ہے جب مدعاعلیہ اپنے کسی فعل کی انجام دہی میں مناسب احتیاط نہ برتے اور اس سے مدعی کی ذات یا جائیداد کو نقصان پہنچے۔ مناسب احتیاط سے مراد وہ اقدامات ہیں جو ایک شخص اپنے طرز عمل میں اس لیے ملحوظ رکھتا ہے کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آئے۔ مضرت کی بنیاد مدعاعلیہ کے ترک عمل پر ہوتی ہے۔ بروم (۱۸۸۲ء) میں مقدمہ غفلت میں عذر خواہی کے تین معروف طریقے بیان کیے ہیں' مثلاً خدائی افعال (Vis Major) اسے (Act of God) بھی کہتے ہیں۔ یاناگہانی حادثہ مثلاً گاڑی اچانک پٹڑی سے اتر جاتی ہے اور کافی لوگ مر جاتے ہیں۔ یہ ناگہانی حادثہ سمجھا جائے گا۔ اسی طرح امداد غفلت (Contributory Negligence) بھی عذر خواہی تصور ہو گا۔ مثلاً ایک شخص جانتا ہے کہ گاڑی کا پئیدان ٹوٹا ہوا ہے اور وہاں کھڑا ہونے کی کوشش کرتا ہے اور گر جاتا ہے اور زخمی ہوتا ہے۔ اس صورت میں ذمہ داری مدعی کی نہیں ہے۔ قانون جہاز رانی میں بھی امدادی غفلت کا قانون رائج ہے۔ ملاحوں کی غفلت کے تناسب سے ہرجانہ دلایا جاتا ہے۔ اگر مدعی اور مدعاعلیہ دونوں کی غفلت برابر ہو تو پھر فریقین کو مساوی ہرجانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے ضابطہ جہل از قانون وضع کیا گیا ہے کہ غلطی یاناواقفیت امر قانون معاف نہیں ہو سکتی جہل یاناواقفیت واقعات معاف ہو سکتی ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ قانون سے بے خبری عذر متصور نہیں ہو گا تاہم بروئے جہل از حقیقت' جہل از قانون میں فرق واضح کرنے کے لیے یہ کہا گیا ہے کہ حقیقت سے بے خبری عذر ہو گی۔ لہذا جہاں قانون سے بے خبر عذر گردانا نہیں جائے گا وہاں حقائق سے بے خبری کا بطور عذر تسلیم کیا جائے گا[41]۔

ابن نجیم نے غفلت از قانون اور جہل از حقیقت پر تفصیل سے بحث کی ہے اور انہوں نے بھی قانون سے غفلت کو عذر تسلیم نہیں کیا ہے الا یہ کہ مدعی ٹھوس دلائل کی روشنی میں اپنی بے خبری کو ثابت کر رہا ہو تو اس صورت میں وہ معذور متصور ہو گا۔ ابن نجیم نے اس عذر کو المشقۃ تجلب التیسیر کے ساتھ شامل کیا ہے[42]۔

ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) نے جہل (غفلت) کو یوں بیان کیا ہے '' الجهل هو الشعو بالشيء على خلاف ما هو به'' یعنی جہل کسی چیز کو اس کی حقیقت کے خلاف سمجھنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ یا یہ کہ اشیاء حقائق اور امور واقعہ کو ان کی اصلیت کے خلاف سمجھنا جہل کہلاتا ہے جیسے یرقان کے مریض کو ہر چیز زرد ہی نظر آتی ہے۔

ابن نجیم نے جہل کے کئی اقسام بیان کیے ہیں وہ بھی جہل از حقیقت اور جہل از قانون میں فرق کرتے ہیں۔ یعنی جہل کے دعوی میں مدعی جہل کے حق میں دلیل جہل کا خفی ہونا جہل از حقیقت پر دلالت کرے گی اور اسے استثناء حاصل ہو گا۔ جیسے شفیع بالبیع کا علم نہیں تھا تو مرور میعاد شفعہ کے باوجود اسے حق شفعہ حاصل ہو گا۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''الدليل خفي في حقه إذا ربما يقع البيع ولا شتهر''[43]

یعنی یہ کہ دلیل خفی اس کے حق میں قائم ہے واضح رہے کہ فریقین کے درمیان بلا اشتہار بیع بھی بیع کا انعقاد صحیح گردانا جاتا ہے۔ کیونکہ شفعہ بہ سبب نسب وراثت یا بہ سبب شرک یا عند الاحناف بہ سبب جوار میں شریک شفعہ کو اطلاع دینا دوسرے شریک کی قانونی ذمہ داریوں میں سے نہیں ہے۔ اب جب کہ بائع مکان نے اس قانون رخصت کا فائدہ اٹھا کر بلا اشتہار مکان قابل شفعہ کا سودا کیا ہے تو اس کی بیع خفی شریک کے حق میں بوجہ جہل از حقیقت دلیل خفی متصو ہو گی اور مرور میعاد کے باوجود اس کا حق شفعہ برقرار رہے گا اور اس قسم کا جہل اسے دیوانی اثرات سے تحفظ دے گا۔ اس کے برعکس جیسا کہ حموی (م۱۰۹۸ھ) نے لکھا ہے کہ بعد از نکاح بذریعہ ولی منکوحہ بالغہ کا دعوی جہل از خیار بلوغ اس کے حق میں دلیل خفی متصور نہیں ہو گا۔ اور غفلت یا جہل از قانون پر دلالت کرے گی۔ ''لان الدليل غير خفي في حقها لتمكنها عن التعلم''[44]۔ کیونکہ اس کا جاننا اس کی قدرت میں تھا اور ہر وہ امر جس کا جاننا عام ہو دلیل خفی نہیں بن سکتا۔ دوسرے یہ کہ بیع کے برعکس نکاح کو مشتہر کیا جاتا ہے۔ لہذا ابن نجیم کے ہاں بھی غفلت یا جہل از بیع حقیقت سے لاعلمی اور جہل از خیار قانون سے لاعلمی ہے اس طرح یہ دو الگ چیزیں ہیں جو قانونی تاثیر کے حوالے سے دو الگ نتائج برآمد کرتی ہیں۔ تاہم بروم نے تعبیر کی ہے کہ بادی النظر میں یہ امر نامناسب معلوم ہو گا کہ کوئی شخص جو قانون سے ناواقف ہے اس کے خلاف عمل کرنے کا نتیجہ اٹھائے مگر ناواقفیت قانون سے مراد ناواقفیت ہے جو قصداً ہو اور اس کے دور کرنے میں غفلت یا انکار کیا جائے' لہذا اس لحاظ سے یہ مسئلہ باعث مصلحت عامہ ہے اس لیے کہ اگر کوئی شخص باوصف جاننے اس امر کے کہ اس کو قانون جاننے کا موقع تھا نہ جانے تو یہ اس کا قصور ہے علاوہ ازیں عدالت یہ نہیں جان سکتی کہ کون شخص قانون سے واقف ہے اور کون ناواقف ہے' لہذا اگر یہ مسئلہ نہ ہو تا تو ہر مجرم یہ کہہ کر کہ میں قانون سے ناواقف تھا سزا قانونی سے بچ سکتا تھا مگر بعض قانون ایسے ہیں کہ جن کا جاننا ہر شخص پر فرض ہے کہ ان پر کیا حق ہے اور حق کو کیسے استعمال کرنا ہے[45]۔

واضح رہے کہ اسلامی قانون میں لاعلمی کی وجہ سے مسئولیت باقی نہیں رہے گی وہ جس فعل کے حرام ہونے کے بارے میں وہ پوری طرح باخبر نہ ہو اس صورت میں سزا ساقط ہو جائے گی[46]۔ مجموعہ تعزیرات پاکستان کے تحت کسی بالغ اور عاقل ملزم کو جہل یا لاعلمی کی بناء پر قانونی استثنا نہیں دی گئی ہے اور نہ کوئی دفعہ اس بات کو اجاگر کرتی ہے کہ جرم کی ماہیت اور نتائج سے لاعلمی قانون عذر ہے الا یہ کہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ نمبر ۸۳' سات اور بارہ سال کے درمیان ملزم کو ادراک کی ناپختگی کی بناء پر استثناء دیتی ہے۔

اسلامی قانون میں اس کے لیے یہ ہے کہ ہر مکلف امکان علم کی اساس پر احکام اسلامی جاننے والا متصور ہو گا اور عملاً اس واقفیت کی موجودگی ضروری نہیں ہو گی اس لیے کسی فعل کو حرام کرنے والی نص تمام لوگوں کے لیے ایسی سمجھی جائے گی جیسے سب کو معلوم ہے اگرچہ بیشتر لوگ اس سے ناواقف ہو یا پوری طرح واقف نہ ہونے کی شرط عائد نہیں کی ہے کیونکہ اس شرط کے عائد کرنے سے سخت دشواری پیدا ہو جائے گی اور سب لوگ مسئولیت کے موقع پر یہی عذر کیا کریں گے کہ وہ اس فعل کے ممنوع ہونے سے واقفت نہیں تھے اور اس طرح قانونی دفعات ہی معطل ہو جائیں گی۔ اسلامی ضابطہ قانون میں لاعلمی کی وجہ مسئلولیت باقی نہیں رہے کی کہ جس فعل کے حرام ہونے کے بارے میں وہ پوری طرح باخبر نہ ہو تو اس صورت میں سزا ساقط ہو جائے گی[47]۔

اسقاط سزاء بحالت محل قصاص:

جب قصاص کا محل ختم ہو جاتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عضو ضائع ہو جائے جس پر قصاص جاری ہونا تھا باوجود یہ کہ مجرم زندہ ہو غرض جائے قصاص کے ختم ہو جانے سے مادون النفس قصاص کی سزا ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ اسلامی قانون کا ضابطہ ہے یعنی اصول یہ ہے کہ مادون النفس کی جایئے قصاص جائے جرم کے مماثل عضو ہے اگر جائے قصاص ختم ہو جائے تو قصاص ساقط ہو جائے گا کیونکہ قصاص محل معدوم ہو چکا ہے اور محل کے معدم ہونے کے بعد اس کا وجود ممکن نہیں ہے[48]۔

اگر قصاص حق سے ساقط ہو جائے تو مجنی علیہ کے لیے کچھ لازم ہے یا نہیں اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ اس امر کے قائل ہیں کہ موجب عمد قصاص عیناً ہے وہ اس میں فرق کرتے ہیں کہ محل قصاص کسی آفت' مرض یا ظلم سے ختم ہوا ہو یا کسی حق کی بناء پر ختم ہوا ہو جیسے نفاذ سزاء اور استیفاء قصاص پہلی حالت میں مجنی علیہ کے لیے محل قصاص کے فوت ہونے سے کچھ واجب نہیں ہے اور دوسری حالت میں مجنی علیہ پر بجائے دیت واجب ہے کیونکہ مجرم نے اس عضو کو ختم کر دیا جس نے حق مستحق فوت ہو گیا ہے[49]۔ جب کہ امام مالک کے نزدیک مجنی علیہ پر کچھ لازم نہیں ہے کیونکہ قصاص میں مجنی علیہ کا حق عینی ہے اگر قصاص ساقط ہو گا تو مجنی علیہ کا حق بھی ساقط ہو جائے گا[50]۔

امام شافعی اور امام احمد کا موقف یہ ہے کہ اگر محل قصاص ختم ہو جائے تو مجنی علیہ کو دیت لینے کا حق حاصل ہو گا خواہ محل قصاص کے ضیاع کا کوئی بھی سبب ہو کیونکہ ان کے نزدیک موجب عمد دو میں سے کوئی ایک شے ہے۔ خاص طور پر قصاص یا دیت نہیں ہے سو اگر محل قصاص جاتا رہا تو دیت لازم آجائے گی[51]۔ یہاں یہ واضح رہے کہ مجموعہ تعزیرات پاکستان میں عموماً فوات محل جوارح اور اعضاء کے ضمن میں بولا جاتا ہے تاہم مجموعہ تعزیرات پاکستان کی رو سے قاتل کا پاگل ہونا یا قصاص سے قبل قاتل کا مر جانا بھی محل قصاص کے معدوم ہونے کے زمرے میں آتا ہے۔ چنانچہ تعزیرات پاکستان دفعہ نمبر ۳۰۶ کی تشریحی نوٹ شق نمبر ۳ اور ۴ میں کہا گیا ہے کہ قصاص کے نفاذ سے پہلے اگر قاتل پاگل ہو جائے یا فوت ہو جائے تو قصاص نافذ نہیں ہو گا۔ اور اس قسم کے فوات محل میں اسی تشریحی نوٹ کے شق نمبر ۶ میں کہا گیا ہے کہ اگر خود مقتول کا والد وارث ہو تو حل قصاص معدوم متصور ہو گا اس سے آگے دفعہ نمبر ۳۰۷ دفعہ نمبر ۳۳۷ شق الف میں کہا گیا ہے کہ جب مجرم قصاص کے نفاذ سے قبل فوت ہو جائے و قصاص کا محل فوت متصور ہو گا[52]۔

قرآن کریم کی رو سے قصاص کی دو صورتیں ہیں ایک قصاص بصورت اتلاف نفس اور ایک قصاص بصورت اتلاف جوارح۔ ارزوئے قانون جب محل قصاص کا لفظ بولا جاتا ہے۔ تو اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کا قتل بصورت قصاص واجب ہو چکا ہے لیکن جب محل قطع کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس مراد جارح کے دو جوارح اعضاء یا مفاصل ہوتے ہیں۔ جن کا قطع کرنا اعتداء علی الجوارح کے مقدمے میں واجب ہو چکا ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ جارح کے خلاف کہنی سے دائیں ہاتھ قطع قصاص میں واجب ہو چکا ہو مثلاً کہا جاتا ہے کہ جارح کے خلاف کہنی سے دائیں ہاتھ قطع قصاص میں واجب ہو چکا ہے لیکن چونکہ جارح کا دایاں ہاتھ معدوم یا کہنی سے کاٹا ہے تو کہا جائے گا کہ محل قطع معدوم ہے۔ اس صورت میں دیت کا حکم دیا جائے گا۔ جیسے قاتل کے پاگل ہونے یا فوت ہو جانے کی صورت میں دیت کا حکم دیا جاتا ہے۔

حدود آرڈیننس مجریہ ۱۹۷۹ء دفعہ نمبر ۱۱ شق نمبر میں فوات محل قطع کے بابت کہا گیا ہے کہ ان صورتوں میں قصاص کا نفاذ نہیں کیا جائے گا یعنی ملزم کا بایاں ہاتھ یا بایاں انگوٹھا یا بائیں ہاتھ کی کم از کم دو انگلیاں یا دایاں پاؤں غائب ہو یا بالکل ناکارہ ہو[53]۔ جب کہ اسلامی ضابطہ قانون میں مذکورہ صورت میں دایاں ہاتھ کی موجودگی کے باوجود اسے معدوم سمجھا جائے گا۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے جب ایسے شخص کو پیش کیا گیا جس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں پہلے سے کٹا تھا' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں بھی کاٹو تو یہ کھائے گا کیسے چلے گا کیسے اور وضو کیسے کرے گا[54]۔

مطلب یہ ہوا کہ ضابطہ قانون میں قصاص کے ساقط ہونے کی مختلف صورتیں ہیں جس میں اہم مثل قصاص کا اور فوت محل کا ہے جس پر سزاء ساقط ہو جاتی ہے۔

اسقاط سزاء بسبب جنون:

جنون وہ ہے جس کی عقل جاتی رہی ہو اور وہ بات کو سمجھ نہ سکے اور کسی وقت بھی اسے افاقہ نہ ہوتا ہے[55]۔ جنون کے بارے میں اسلامی قانون کا ضابطہ وہی ہے جو بچے صغیر السن کے بارے میں ہیں[56]۔ بے وقوف شخص بھی جنون اور بچے کی طرح ہو گا[57]۔ بے وقوف کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے مال سے بے تحاشا فضول اور بلا ضرورت حقیقی خرچ کرتا ہو[58]۔ یعنی جنون سے مراد ایسا دماغی خلیل اور حرج ہے جس کی وجہ سے انسان کے اقوال افعال اپنے معمول کے مطابق باقی نہ رہ سکیں۔ چاہیے یہ کیفیت پیدائشی طور پر یا بعد میں کسی مرض کی بناء پر لاحق ہو۔

اسلامی ضابطہ کے تحت مجنون کی تین ممکن صورتیں ہیں:

1. جنون دائمی یعنی پیدائشی' ۲۔ جنون مطبق یعنی بعد از پیدائش۔ ۳۔ جنون طاری یعنی بعد از ارتکاب جرم کا۔

حدیث میں اس کے بارے میں یہ آیا ہے کہ قلم تین اشخاص سے اٹھالیا گیا ہے۔ نائم سے تا آنکہ بیدار ہو جائے بچے سے حتی کے بالغ ہو جائے مجنون سے تا آنکہ اس کی عقل لوٹ آئے یا اسے افاقہ ہو جائے۔

جنون اہلیت کے عوارض میں سے ایک عارض ہے جو عقل پر طاری ہوتا ہے اور اسے ختم کر دیتا ہے اسی وجہ سے جنون میں مواخذہ او رخطاب ساقط ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ عقل جو دلیل تکلیف سمجھنے کا ذریعہ ہے وہ موجود نہیں رہتی۔ حقوق اللہ کے ضمن میں مواخذہ نہ ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب جنون بھی ہے اور مجنون پر کوئی حد نہیں ہو گی' اس لیے کہ جب وہ عبادات کا مکلف نہیں رہا اور اس سے عاصی میں گناہ ساقط ہو گیا تو وحد جو شبہات سے ختم ہو جاتی ہے بدرجہ اولی ساقط ہو گی' اور جہاں تک حقوق العباد' مثلاً ضمان وغیرہ کا معاملہ ہے تو وہ ساقط نہیں ہو گا' اس لیے یہ اس کو مکلف بنانا نہیں ہے' بلکہ یہ ولی کو مجنون کے مال میں واجب ہونے والے مالی حق کی ادائیگی کا مکلف بنانا ہے۔ لہذا جب اس سے واقع ہو جائیں تو س کا مالی مواخذہ ہو گا بدنی نہیں ہو گا۔ اور جب وہ حالت جنون میں کسی انسان کا مال تلف کر دے تو اس ضمان لازم ہو گا' اور جب قتل کر دے تو قصاص نہیں ہو گا لیکن مقتول کی دیت واجب ہو گی' اسی طرح حد رجم اور حد قذف میں احصان عقل کے بعد مکمل نہیں ہو گا' لہذا مجنون محصن نہیں ہو گا' اس لیے کہ عقل کے بغیر ہو گا' لہذا مجنون محصن نہیں ہو گا' اس لیے عقل کے بغیر خطاب نہیں[59]۔

جرم کے بعد طاری ہونے والے جنون کی دو نوعیتیں ہو سکتی ہے ایک تو یہ کہ جنون عدالتی فیصلے سے پہلے طاری ہو دوم یہ کہ جنون عدالتی فیصلے کے بعد طاری ہوا ہو۔ عدالتی فیصلے سے قبل طاری ہونے والا جنون امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک عدالتی کاروائی کے اجراء کو موقوف نہیں کرتا کیونکہ تکلیف وقت ارتکاب جرم شرط ہے اور اس عدالتی کاروائی سے مجنون کی حیثیت بھی متاثر نہیں ہوتی اس لیے کہ شریعت میں مجرموں کے خلاف کاروائی کی بڑی مضبوط ضمانتیں موجود ہیں۔ کیونکہ جنون کا اثر یہی ہوگا کہ مجرم خواہ اپنا دفاع نہیں کر سکے گا جب کہ قاعدہ یہ ہے کہ مجرم کا اپنے دفاع سے عاجز رہنا عدالتی کاروائی میں مانع نہیں ہے۔ ان کے نزدیک عدالتی کاروائی اس کے اپنے دفاع سے عاجز ہونے کی بنا پر نہیں روکی جا سکتی۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مجنون پر سزا کا اجراء روک دیا جائے گا اگر مجرم پر فیصلہ ہو جانے کے بعد جنون طاری ہو جائے۔ لیکن مجنون سزاء کے آغاز کے بعد طاری ہوا ہو تو سزا موقوف نہیں ہوگی اس لیے کہ یہ نفاذ حکم کی ابتدا ہے اور اس کے بعد اسے جنون کی بناء پر طاری ہو جائے تو جنون کی بناء پر قصاص بطور استحسان دیت میں تبدیل ہو جائے گا[60]۔

خلاصہ و نتیجہ بحث

اس بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مختلف وجوہات کی بناء پر حدود و قصاص کی اور دیگر سزائیں ساقط ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ اس میں فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے مثلاً شبہات کی وجہ اس کا ساقط ہو جانا' کہ کون سے شبہات حدود و قصاص کی سزاء کو ساقط کرتے ہیں ہر شبہ پر دلیل قطعی نہیں ہے۔ اس ضمن میں نہ قرآن کی آیت' نہ حدیث' نہ اجماع بلکہ فقہاء نے احادیث و اقوال صحابہ سے قیاساً استنباط کر کے شبہات کا ثبوت مہیا کر حدود کو ساقط کر دیا۔ اُس زمانہ میں لوگوں کی اخلاقی حالت اِس سے کہیں زیادہ اچھی تھی۔ جھوٹ بولنے اور جرم یا حق چھپانے کا عام رواج نہیں تھا۔ صاحب کردار لوگوں کی اکثریت تھی۔ دوسری اہم بات یہ سامنے آئی ہے کہ اگر جہل و ناواقفیت کے قاعدہ کو وسعت دی جائے تو ہر دوسرا شخص جرم کر کے جہل اور ناواقفیت کے ایجاد کردہ قاعدہ کا استعمال کرے گا۔ اور یوں مجرم سزاء سے اپنے آپ کو بچا لیتا ہے۔ یا اکراہ وجبر کی وجہ سے قتل کرنا اور یا کوئی اور انسانی جسم کے خلاف جرم کرنا' ایک عام سی بات ہے اور اس کا مظاہرہ ہم روز افزوں اخبارات اور میڈیا پر دیکھتے رہتے ہیں۔ آج کل کے حالات پر غور کیا جائے تو واقعی زیادہ تر ان وجوہات کے وجہ سے ملزم فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ خصوصاً حدود کے معاملے میں معاشرہ میں مجرم اسی بنیاد پر سزا سے بچ جاتا ہے ۔ لہٰذا اسلامی ضابطہ قانون کو صحیح انداز اور وقت اور حالات کے تناظر میں اجتہاد کے ذریعے تنفیذ شرائط کو بروئے کار لاتے ہوئے ان ضوابط و قواعد کو لاگو کرنے سے معاشرہ ان سنگین جرائم اور بدامنی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس پس منظر میں شبہ میں وسعت کے بجائے احتیاط و تفتیش کے عمل کو مؤثر بنایا جائے۔

حواشی و مراجع:

[1] شبہ یہ ہے کہ جو ثابت شدہ کے مشابہ ہو مگر ثابت نہ ہو۔ یعنی شبہ وہ امر مسیح ہے۔ جو صورتاً تو موجود ہوتا ہے۔ لیکن اس کا حکم اور حقیقت معدوم ہوتی ہے۔ (عودۃ' عبدالقادر' التشریع الجنائی الاسلامی' بذیل مادہ نمبر ۱۸۹ تعرف الشبہ' ج ۱' ص ۲۰۹

[2] البرہان پوری' کنز العمال' کتاب الحدود' باب ماجاء فی وجوب الحدود' حدیث نمبر ۱۲۹۵۷

[3] ابن ابی شبیہ' عبداللہ بن محمد' المصنیف' ادارہ القرآن' کراچی' ۱۴۰۲ھ حدیث نمبر ۸۵۴۲' ج ۹' ص ۵۶

[4] ابن مفاح' ابوالحسن' عبداللہ' شرح الازہار' دار الفکر' بیروت' سطن' ج ۴' ص ۳۷۵۔

[5] ابن ابی شیبہ' المصنف' ج ۵' ص ۵۱۱۔ حدیث نمبر ۲۸۴۹۴

[6] تنزیل الرحمن، جسٹس، قانون لغت، پی ایل ڈی پبلیشرز ۲۰۱۶ء بذیل مادۃ Benefit of Doubt

[7] عودۃ، عبد القادر، التشریع الجنائی الاسلامی، مقارناً بالقانون الوضعی، دار الکاتب العربی، بیروت، سطن ج ا، ص ۲۱۴، فقرہ نمبر ۱۸۸

[8] حوالہ مذکور

[9] ابن حزم، احمد بن سعید اندلسی، المحلی بالاثار، دار الفکر، بیروت، سطن، ج ۱۱، ص ۳۲۳۔

[10] عودہ، عبد القادر، التشریع الجنائی، ج ا، ص ۵۹۷، نمبر ۴۳۸

[11] ابن قدامہ، المغنی، ج ۱۰، ص ۲۵ حنفی فقہاء کی رائے کے لیے دیکھئے الکاسانی، ابو بکر مسعود، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ت سعید کمپنی کراچی، ۱۴۰۰ ج ۷، ص ۶۷۔

[12] الزیلعی، عثمان بن علی، تبیین الحقائق علی کنز الدقائق، دار المعرفہ، ۱۳۱۵ھ، ج ۳، ص ۲۲۰

[13] ابن قدامہ، المغنی، ج ۱۰، ص ۲۱۶؛ شافعی فقہاء کی رائے کے لیے: الشیرازی، براہیم بن علی، المہذب، مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۴۳ھ، ج ۲ ص ۲۹۷۔

[14] الدسوقی، محمد بن عرفہ، حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبعہ، عیسی البابی الحلبی، سطن، ج ۴، ص ۳۳۷۔

[15] الکاسانی، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۷۱؛ ابن قدامہ، المغنی، ج ا، ص ۲۵۹۔

[16] الصنعانی، عبد الرزاق ابن ہمام، المصنف، مشورات المجلس العلمی، سطن، ج ۷، ص ۴۳۲۔

[17] الکاسانی، بدائع الصنائع ج ۷، ص ۹۔

[18] سلیمان ظہور، اسلامی قوانین حدود لاز، عرفان بک ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۵۱، آرٹیکل ۱۰۔

[19] القرآن ۲: ۲۳۵

[20] الکاسانی، بدائع الصنائع ج ۷، ص ۳۲۔

[21] ابو داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، ج ا، ص ۳۰۸

[22] الشیرازی، المہذب، ج ۲، ص ۲۷۳۔

[23] مالک بن انس، المدونۃ الکبری، ج ۴، ص ۳۹۱؛ ابن قدامہ، المغنی، ج ۷، ص ۲۳۲۔

[24] الجصاص، أحمد بن علی ابو بکر، الرازی، احکام القرآن، تحقیق: عبد السلام، محمد علی شاہین، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ط ا، ص ۱۹۹۴، ج ا ص ۱۲۸۔

[25] عودہ، التشریع الجنائی الاسلام، مادۃ نمبر ۳۹۴، ج ا، ص ۵۷۱۔

[26] بھٹی، محمد الیاس، مجموعہ تعزیرات پاکستان، پاپولر لاء بک ہاؤس، لاہور، ص ۵۰، دفعہ ۹۶۔

[27] حدود لاز، سیکشن ۲، بی، ص ۴۶

[28] النسفی، عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل، طلبتہ الطبۃ، مبدون طبع، ۱۳۱۱ھ ص ۱۲۱

[29] المرغینانی، الہدایہ، ج ۳، ص ۲۸۷، کتاب الاکراہ

[30] عودہ، عبد القادر، تشریع الجنائی الاسلامی، ج ا، ص ۳۸۹۔

[31] الکاسانی، بدائع الصنائع، ج ۷، ص ۱۷۵؛ عودہ، عبد القادر، تشریع الجنائی الاسلامی، ج ا، ص ۳۹۔

[32] ابن نجیم، البحر الرائق، ج ۸، ص ۴۷۔

[33] الکاسانی، بدائع الصنائع ج ۷، ۱۸۶۔

34 ابن الاثیر، جامع الاصول، ج۴، ص۱۸۲۳۔

35 البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح کتاب الاکراہ، ج۳، ص۶۸۶۔

36 الصنعانی: المصنف، ج۷، اثر ۱۳۶۵۳

37 مجموعہ تعزیرات پاکستان، جرم بصورت مجبوری مع ذیل تشریحات ص۶۸ اور دفعہ ۲۹۹، ۳۰۰۔

38 مجموعہ تعزیرات پاکستان باب ۴ عام مستثنیات General Exceptions ص ۴۲

39 عودة، التشریع الاسلامی، بذیل مادہ نمبر ۲۹۸ الرکنة النومیہ، ج۱، ۵۹۰۔

40 Broom's Legal Maxim, P 366

41 ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، ص۳۵؛ عودہ عبد القادر، التشریع الجنائی ج۲، ص۳۲۱

42 ابن نجیم، الاشباہ النظائر، ص۱۳۵۔

43 حوالہ مذکور.

44 حموي، غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ النظائر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ط۱، ۱۹۸۵ء، ج۱، ص۳۴

45 Broom's Legal Maxims p 256

46 عودة، التشریع الجنائی الاسلامی، بذیل مادہ نمبر ۲۹۸؛ اثر الجھل والخطاء والنسیان علی المسوٴلیہ، ج۱، ص۴۳۰۔

47 عودة، عبد القادر، التشریع الجنائی الاسلامی، بذیل مادن نمر ۲۹۸ اثر الجھل والخطاء والنسیان علی المسوٴلتہ، ج۱، ص۴۳۰۔

48 حوالہ مذکور بذیل مادہ نمبر ۲۵۹ فوات محل القصاص، ج۱، ص۲۷۷۔

49 الکاسانی، بدائع الصنائع، ج۷، ۲۲۶

50 امام مالک کا یہ موقف المغربی نے مواہب الجلیل میں نقل کیا ہے ج۶، ص۲۳۱

51 عودہ، الشتریع الجنائی الاسلامی، بذیل مادة نمبر ۲۵۹؛ فوات محل القصاص: ج۱، ص۲۷۷۔

52 مجموعہ تعزیرات پاکستان دفعہ ۳۰۶، ۳۰۷ ص۳۰۸۔

53 مجموعہ تعزیرات بشمول اسلامی تعزیر قانون، ص۵۵۸

54 عودة، التشریع الجنائی الاسلامی، بذیل مادہ محل القطع، زیر عدد نمبر ۶۲۳، ج۲، ص۶۲۳

55 الجزری، کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ، دار معرفة، بیروت، ج۱، ص۳۸۰۔

56 حوالہ مذکور

57 حوالہ مذکور

58 حوالہ مذکور

59 الاختیار، ج۴، ص۸۸، القوانین اسلامی، ص۳۵۸، ابن قدامہ: المغنی، ج۸، ص۲۱۷۔

60 ابن قدامہ، المغنی، ج۹، ص۳۲۷؛ الشافعی، الام، ج۶، ص۳۴؛ ابن عادین، حاشیہ ابن عابدین، ج۵، ص۴۷۰۔